ادب کا اسلامی تصور

ڈاکٹر محمود احمد غازی

ادب کے بارے میں ایک طویل عرصے سے یہ گفتگو جاری ہے کہ ادب برائے ادب ہونا چاہیے یا ادب برائے زندگی۔ لکھنے والوں نے ادب برائے ادب کے حق میں بھی بہت کچھ کہا ہے۔ اور ادب برائے زندگی کے حق میں بھی اس نقطہ نظر کے علمبرداروں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن اس سوال کا جواب دینے سے پہلے کہ ادب صرف ادب کے لیے ہونا چاہئے، یا ادب زندگی کے کسی اعلیٰ ترین مقصد کے حصول کا وسیلہ ہونا چاہیے، ایک اور اہم بنیادی سوال کا جواب دینا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا خود زندگی کا بھی مقصد ہے؟ یا زندگی ایک بے مقصد تسلسل روز وشب کا نام ہے اور ایک بے ہدف کاوش اور بے منزل سفر ہے۔

جن اقوام یا جن تہذیبوں بلکہ جن افراد اور گروہوں میں زندگی بے مقصد اور بے ہدف سمجھی جاتی ہے، ان کے تصور زندگی کے مطابق اس زندگی کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے، وہ ادب برائے ادب کے تصور کے قائل ہیں۔ لیکن ہر وہ تہذیب اور ہر وہ قوم جس کے ہاں زندگی با مقصد ہے، زندگی کا کوئی اعلیٰ وارفع مقصد ہے، وہ سب قومیں اور وہ سب تہذیبیں ادب برائے زندگی کے تصور کی علمبردار ہیں۔ اگر خود ہماری اس زندگی میں کوئی اعلیٰ وارفع مقصد موجود نہیں ہے اور یہاں زندگی گزارنے کی حد تک انسان اور حیوان ایک دوسرے کے رفیق اور ایک دوسرے کے شریک ہیں، پھر جس طرح سے مرنے کے بعد حیوانات کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح اگر انسانوں کی زندگی بھی ختم ہونے والی ہوتو پھر ادب کے لیے کسی اعلیٰ مقصد کی ضرورت نہیں رہتی۔ ادب برائے ادب یعنی شاعری محض اس لیے کی جائے کہ کسی کو شاعری پسند ہے، افسانہ اس لیے لکھا جائے کہ کسی کو افسانہ لکھنا پسند ہے، لفظی صنائع وبدائع اس لیے اختیار کئے جائیں کہ پڑھنے والوں کو پسند آتے ہیں۔ ان چیزوں کے علاوہ کوئی اور اعلیٰ مقصد سامنے نہ ہو، تو پھر اس ادب کے وہ نتائج نکلتے ہیں جو آج کے بد سے بدتر

ادب میں، عریانی اور فحاشی پر مبنی تحریروں کے نمونوں میں اور ادب کے ان مجموعوں میں نظر آتے ہیں جو بے ہدف اقوام، بے مقصد تہذیبوں اور بے منزل لوگوں نے اختیار کیے ہیں۔ یہاں یہ بات انتہائی اہم اور یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام کی تاریخ میں، مسلمان ادباء اور مسلمان شعراء میں کبھی بھی روز اوّل سے یہ سوال نہیں پیدا ہوا کہ ادب کو محض ادب کے لیے ہونا چاہیے یا ادب کو کسی اور ارفع مقصد کے لیے بطور ذریعہ اور وسیلہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر خود زندگی کا کوئی مقصد ہے، اور اگر مسلمان کی اپنی زندگی کا کوئی ہدف ہے تو پھر مسلمان ادیب کا ہدف بھی وہی ہونا چاہیے جو اس کی زندگی کا مقصد اور ہدف ہے۔ اگر مسلمان شاعر کا کوئی مقصد زندگی ہے تو پھر اس کی شاعری کا بھی وہی مقصد ہونا چاہیے جو اس کی زندگی کا مقصد ہے۔

اس لیے ادب کا اسلامی تصور بیان کرتے ہوئے سب سے پہلی بات جو ذہن میں رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات و احکام میں، مسلمانوں کی روایات میں، اور مسلمانوں کی تاریخ میں ادب کا ہمیشہ ایک اعلیٰ و ارفع مقصد رہا ہے۔ خود صحابہ کرامؓ میں بہت سے ادیب، شعراء اور خطباء تھے، جن کی فنی مہارت پورے عرب میں تسلیم کی جاتی تھی۔ ان سب شاعروں اور ادیبوں نے اور پورے چودہ سو سال کے ادیبوں اور شاعروں نے صرف اپنی ادبی کاوشوں بلکہ اپنے رویہ اور طرز عمل سے ایک ہی پیغام دیا، اور وہ یہ کہ یہ ادب بے مقصد نہیں، ادبی کاوشیں بے ہدف نہیں۔ ان سب کا کوئی مقصد یا ہدف ہے، اور ہونا چاہیے۔ وہ ہدف اور مقصد وہی ہے جو ایک مسلمان کی زندگی کا ہدف اور مقصد ہے۔ اس ایک مقصد اور اس ایک ہدف سے ہٹ کر کسی مسلمان ادیب اور شاعر کا کوئی اور مقصد اور ہدف نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہو سکتا ہے اور وہ اس مقصد سے ہٹ کر کوئی اور ہدف اور مقصد نہیں اپنا سکتا۔

لیکن جب ہم یہ بات کہتے ہیں تو ادب کے عام نظریہ سازوں اور ادب برائے ادب کا نظریہ رکھنے والوں کی طرف سے جو اعتراض وارد ہوتا ہے وہ واقعی ایک وقیع اعتراض ہے۔ جب تک اس اعتراض کو سامنے نہیں رکھا جائے گا اور اس کا مناسب اور مدلل جواب نہیں دیا جائے گا، اس وقت تک ادب کی صحیح بنیادوں، ادب کی صحیح حدود اور صحیح خطوط کو متعین کرنا بڑا دشوار ہوگا۔ ان حضرات کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اگر ادب کا وہی مقصد ہے جو ایک عام مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے تو پھر

ادب میں اور وعظ میں، ادب میں عام دعوت وتبلیغ میں بنیادی فرق کیا ہوا؟ ایک عام واعظ اور ایک عام دعوت دینے والا جب دعوت وتبلیغ کا کام کر رہا ہوتا ہے تو وہ اسی مقصد کی جانب پیش قدمی کر رہا ہوتا ہے جو ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے اور ایک شاعر یا ادیب بھی وہی کام کر رہا ہوتا ہے، تو پھر ادب میں اور ایک عام تبلیغی سرگرمی میں کس طرح فرق کیا جائے گا اور ان دونوں کے درمیان بنیادی فرق کو کس طرح واضح کیا جائے گا۔

جب ہم ادب کا نام لیتے ہیں تو ہمارے سامنے قلمی کاوشوں اور فکری سرگرمیوں کا ایک مخصوص نقشہ آتا ہے۔ ایک مخصوص قسم کی شاعری اور لٹریچر ہمارے سامنے آتا ہے۔ ادب کا تذکرہ کرنے سے عام دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں کے لیے پیدا کیا جانے والا مواد یا تحریریں یا کتابیں ہمارے ذہن میں نہیں آتیں۔ جب ہم اسلامی ادب کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اقبال، اکبرالہ آبادی، مولانا حالی، یا مثلاً ماہرالقادری وغیرہ کی شاعری اور شبلی نعمانی، عبدالحلیم شرر، نسیم حجازی اور ان جیسے دوسرے حضرات کی ادبی کاوشیں اور نثری تحریریں آتی ہیں۔ عربی زبان میں اسلامی ادب کا ذکر کریں تو قصائد حسان اور حافظ ابراہیم کے قصائد ملتے ہیں۔ لیکن اسلامی ادب کا تذکرہ کرنے سے بہشتی زیور یا تعلیم الاسلام ہمارے تصور میں نہیں آتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی ادب کا تصور بھی ادب کا ایک ایسا معیار رکھتا ہے کہ اس کے بارے میں یہ اعتراض یا یہ شبہ کہ اس میں اور عام دعوتی سرگرمی میں، اور اس میں عام وعظ گوئی میں اور ادبی تحریروں، مذہبی تحریروں میں اور شعری کاوشوں اور مذہبی لٹریچر میں کوئی فرق نہیں، یہ بات غلط فہمی پر مبنی ہے۔

ادب کے اصناف، مثلاً نظم اور نثر اور ان کے اقسام، کے بارے میں مسلمانوں میں عام تصور کیا رہا ہے؟ قرآن مجید میں کیا کہا گیا ہے؟ حدیث میں اور سنت میں کیا کہا گیا ہے؟ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد آنے والے جو اسلام کے مستند ترین ترجمان اور نمائندہ تھے۔ انہوں نے ادب کے بارے میں کس طرح کا تصور اپنے ذہن میں رکھا؟ ان کے تصوارت یا خیالات سے اسلامی ادب کا کیا نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے؟ ان سب چیزوں پر سرسری نظر ڈال لینے ہی سے ادب کے بارے میں اسلام کا تصور ہمارے سامنے واضح ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں سورہ شعراء میں شاعروں کا ذکر آیا ہے۔ اس میں شاعروں کی دو قسمیں بتائی

گئی ہیں ۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ جب قرآن میں شاعروں کا ذکر آگیا تو گویا ادیبوں کے ایک بہت بڑے گروہ کا ذکر ہوگیا۔ یہ گویا ادب کے ایک بڑے ترجمان گروہ کا ذکر ہے جس کو ہم ادب کے بقیہ طبقوں پر جو شاعر نہیں ہیں، نثر نگار ہیں، بلکہ افسانہ نگار ہیں یا دوسرے اصناف ادب میں سرگرم عمل ہیں، ان سب پر بھی اس تقسیم کو منطبق کر سکتے ہیں۔قرآن مجید میں سورہ شعراء کی آخری آیات میں شعراء کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں :

ایک وہ شعراء ہیں جن کی پیروی کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا ۔ وہ محض ایک وقتی لذت کی خاطر، محض بیان کی خوش نمائی کی خاطر اور محض الفاظ کے دروبست اور آواز کے زیرو بم کی وجہ سے ان شاعروں کی پیروی کرتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور گویا ایک اعتبار سے ان کے پروموٹرز ہوتے ہیں ۔ ان کا کوئی ہدف نہیں ہوتا۔جس طرف ان کے تصورات اور ان کا دماغ چلا جائے، ان کے افکار اور ان کی خواہشات کا جس طرف رجحان ہو جائے، اسی طرف ان کی ادبی سرگرمیاں شروع ہو جاتی ہیں ۔کبھی ایک وادی میں کبھی دوسری وادی میں ۔

ان کے سامنے کوئی منزل مقصود نہیں ہوتی ۔ نہ ان کے پیروکاروں کی کوئی منزل مقصود ہوتی ہے، اور نہ ان شاعروں کا اپنا کوئی ہدف ہوتا ہے۔ پھر بہت سی باتیں وہ ایسی کرتے ہیں جو ان کے ایمان یا عقیدے سے نہیں نکلتیں۔

کہنے کو ان میں سے بعض اچھی باتیں کرنے والے بھی ہیں اور بری باتیں کرنے والے بھی ہیں ۔بعض عام مظاہر فطرت پر قلم زنی کرنے والے بھی ہیں۔لیکن ان کی ساری ادبی کاوشوں کا، ان کی شعرو شاعری کا اور ان کی نثر نگاری کا مظہر ان کا اپنا عقیدہ اور نظریہ نہیں ہوتا۔ ان کا اپنا نظریہ اور عقیدہ کچھ اور ہوتا ہے۔لیکن شعرو شاعری میں کچھ اور کہہ رہے ہوتے ہیں ۔خود کسی اور نظریہ کے علمبر دار ہوتے ہیں لیکن ان کی شاعری میں کوئی اور نظریہ سامنے آتا ہے۔

یہ تین بنیادی اوصاف ہیں شعراء اور ادباء کے اس طبقہ کے جو قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں ۔یعنی

۱۔ ان کے پیروکاروں کی کوئی منزل مقصود نہیں ہے۔

۲۔ ان کا اپنا کوئی ہدف اور متعین میدان کار نہیں ہے۔

۳۔ اور ان کے قول وفعل میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔

یہ ادیبوں اور شاعروں کا ایک گروہ ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جن کا ایک عقیدہ ہوتا ہے، کوئی متعین ہدف اور واضح مقصد ہوتا ہے، ان کا کوئی عقیدہ اور نظریہ ہے۔ ان کے سامنے کوئی متعین منزل اور ایک واضح راستہ ہوتا ہے، وہ اپنے پیروکاروں کو اس راستے پر لے جانا چاہتے ہیں۔ وہ محض اپنے مداحوں اور پیروکاروں سے تحسین وآفرین کی توقع نہیں کرتے بلکہ ان کو ایک واضح اور متعین ہدف تک لے جانا چاہتے ہیں۔ ان کے سامنے اپنے لیے اور اپنے پیروکاروں، مداحوں اور اپنے قارئین کے لیے اور ان تمام لوگوں کے لیے جو ان کی تحریروں سے، ان کے کلام سے اور ان کے ادب سے متاثر ہو رہے ہیں ایک واضح ہدف ہوتا ہے۔ یہ لوگ جو کہتے ہیں اس پر خود بھی عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جس منزل کا نشان ان تحریروں میں ملتا ہے یہ خود بھی اسی منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ یہ شاعروں اور ادیبوں کی ایک دوسری کیٹیگری ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک مسلمان شاعر اور مسلمان ادیب کا تعلق اسی دوسری کیٹیگری سے ہو سکتا ہے، پہلے گروہ سے نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ادیب اور مسلمان شاعر کے سامنے ایک متعین ہدف ہوگا۔ امت مسلمہ کا مفاد، امت مسلمہ کی دنیا اور آخرت کی بہبود، مسلمانوں کے کردار کی تشکیل اور مسلمانوں کی کردار سازی، پھر بالآخر دنیائے اسلام میں اسلام کی بالادستی اور مسلمانوں کی عزت وترقی، اس دنیا میں مسلمانوں کے لئے ایک خوش آئند مستقبل کی تشکیل اور پھر بالآخر ایک خوش آئند آخرت کی تعمیر۔ یہ وہ بنیادی اہداف ہیں جو ایک مسلمان ادیب اور شاعر کا ہدف ہو سکتے ہیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مسلمان ادیب اور شاعر جو کچھ بھی لکھتا ہے اس میں قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں تین چیزیں شامل ہونی چاہئیں:

۱- ایک مسلمان ادیب اور شاعر کا مقصد متعین ہونا چاہیے۔

۲- اس کا مخاطب متعین ہونا چاہیے۔

۳- جو لکھتے ہوں وہ خون جگر اور ایمان وایقان کے جذبہ سے لکھتے ہوں اور اپنے پیغام پر خود بھی کاربند ہوں۔

ایک مسلمان ادیب اور شاعر کا مقصد متعین ہونا چاہیے۔ اس بات کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے آپ مشہور اور مثالی مسلمان ادیبوں کے کام پر نظر ڈالیے، مثلاً اکبرالہ آبادی کی شہرت ایک مزاح نگار اور ایک طنز نگار شاعر کی ہے۔ لیکن ان کی طنز نگاری اور مزاح نگاری میں ایک متعین ہدف سامنے معلوم ہوتا ہے۔ ان کے کلیات کے کسی بھی حصہ پر نظر ڈالتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے قاری کو مغربی تہذیب کے منفی اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اسلامی تہذیب و تمدن کی ان بنیادوں کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں جن کو لوگ مغربی تصورات کے اثر سے نظر انداز کر دینا یا بھلا دینا چاہتے تھے۔ اور ان کو بھلائے جانے کی یا نظر انداز کیے جانے کی ایک رو اور ایک روش عام طور پر پیدا ہو چلی تھی۔ یہ ایک ہدف ہے جو اکبرالہ آبادی کی ہر تحریر اور ہر نظم میں ان کی کلیات کے ہر صفحے پر آپ کو نظر آئے گا۔ کہیں اگر وہ اونٹ اور موٹر گاڑی کا تقابلی مطالعہ کر رہے ہیں' کہیں کالج اور خانقاہ کی تقابل فرما رہے ہیں' کہیں وہ کوٹ پتلون' ناچنے کے انداز' چائے اور بسکٹ پر تبصرہ کر رہے ہیں' غرض بہت ہی معمولی چیزوں کا موازنہ اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں کر رہے ہیں۔ یہ بظاہر عام سی چیزیں ہیں اور ان کو مزاح اور لطف کے طور پر لیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک متعین مقصد موجود ہے' وہ یہ کہ عام قاری کو مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے اور اسلامی تہذیب کی ان اقدار کو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے جن کو مسلمانوں کا ایک طبقہ بھلانے کے درپے تھا۔ یہ ہے وہ متعین ہدف ہے جو عمومی اسلامی اہداف کے اندر ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ یہ ایک بنیادی تصور ہے جو اکبرالہ آبادی کے یہاں ملتا ہے۔ اور ان کی قریب ہر نظم اور ہر غزل میں جھلکتا ہے۔

مولانا حالی کی مثال لیں۔ مولانا حالی کو نشاۃ نو کا شاعر کہا جاتا ہے۔ انہوں نے مسدس مدوجزر اسلام لکھی۔ لیکن نشاۃ نو کی شاعری بالخصوص ان کی اس مسدس کو سامنے رکھیں اس میں مسلمانوں کے ماضی پر تبصرہ ہے' حال پر اظہار افسوس اور مستقبل کے بارے میں امید افزا اشارے ہیں۔ مسدس میں ادب کی وہ ساری خوبیاں موجود ہیں جن کو اردو اور فارسی میں مثنوی لکھنے والوں نے خوبیاں مانا ہے۔ لیکن یہ خوبیاں مولانا حالی کا براہ راست مقصود نہیں ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان کا ماضی یاد دلا کر ان کے اندر اعتماد پیدا کیا جائے اور پھر ان کو عمل پر ابھارا جائے۔ وہ

مثنوی یا اس کے شعری محاسن ان کا براہ راست ہدف نہیں ہیں۔ وہ مثنوی برائے مثنوی نہیں لکھتے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کو ان کا ماضی یاد دلانا چاہتے ہیں۔ ماضی میں مسلمانوں نے جو شاندار کارنامے کیے ان کارناموں کو یاد دلا کر اپنے زمانے کے کمزور، مغلوب اور شکست خوردہ مسلمانوں میں ایک اعتماد پیدا کرنا چاہتے ہیں جن اسباب کی بناء پر مسلمان ان کارناموں کو انجام دینے کے قابل ہوئے ان اسباب کو یاد دلا کر یہ بتاتے ہیں کہ آج اگر مسلمان وہ اسباب دوبارہ پیدا کر لیں تو وہی عروج اور وہی ترقی ایک بار پھر ان کا مقدر بن سکتی ہے۔ مسلمانوں میں موجودہ کمزوری کیسے اور کیوں پیدا ہوئی اس پر بھی مثنوی میں تبصرہ ہے اور اس کمزوری کے اسباب کی نشان دہی بھی ہے۔ ان اسباب کو کیسے دور دیا جائے اور آئندہ ایک بہتر مستقبل کی تشکیل کیسے کی جائے۔ یہ دراصل مسدس مدّ و جزر اسلام کی بنیادی مقصد اور Theme ہے۔

دوسری بنیادی صفت قرآن پاک نے جو بتائی وہ یہ کہ جو لوگ ان شاعروں اور ادیبوں سے متأثر ہوتے ہیں وہ کون لوگ ہیں۔ یعنی آپ کے مخاطبین کون لوگ ہیں۔ ایک شاعر یا ادیب خلاء میں کام نہیں کرتا۔ ایک فنکار جب کام کرتا ہے تو اس کے مخاطبین کہیں نہ کہیں موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ جب کوئی افسانہ یا ڈرامہ لکھنے بیٹھیں تو سب سے پہلے اپنے مخاطبین متعیّن کر لیں۔ دیکھیے قرآن بھی اپنے مخاطبین کو سامنے رکھ کر تبصرہ کرتا ہے۔ مثلاً آپ کوئی افسانہ لکھ رہے ہوں یا کچھ اور تحریر مرتّب کر رہے ہوں تو آپ کا مخاطب آپ کے ذہن میں ہونا چاہیے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ کچھ لکھ رہے ہوں اور آپ کے ذہن میں آپ کا قاری نہ ہو۔ اس لیے اگر آپ اپنے ذہن میں اپنا قاری متعیّن کرتے ہیں تو جتنا بلند معیار آپ کے قاری کا ہو گا اسی تناسب سے آپ کے ادب کا معیار خود بخود بلند ہوتا جائے گا۔ مثلاً اگر آپ علامہ اقبال کو اپنا قاری سمجھ کر لکھیں گے تو آپ کا معیار ایک دم سے بلند ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ محلّے کے کسی نیم خواندہ دوکاندار کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ لکھیں گے تو وہ آپ کی کہانی پڑھ کر خوش تو ہو جائے گا، لیکن آپ کی تحریر کا معیار گرتا چلا جائے گا۔ اس لیے کہ آپ کے مخاطب کا کوئی معیار نہیں۔

اس لیے قرآن نے شاعروں اور ادیبوں کے مخاطبین کو بڑی اہمیت دی ہے۔ ان کے مخاطب اور مداح کون لوگ ہیں۔ اگر وہ گمراہ اور بے ادب لوگ ہیں اور اگر ان کا کوئی مقصد نہیں ہے

تو پھر شاعر کا خود بخود بے مقصدیت کی طرف مائل ہو جانا لازمی ہے۔ اور اگر آپ کے مخاطبین committed لوگ ہیں، متعیّن مقصد اور ہدف رکھنے والے لوگ ہیں، ان کی ایک علمی اور فکری سطح ہے اور ان کا ایک معیار ہے تو خود بخود آپ کی تحریروں کا معیار اونچا ہوتا چلا جائے گا اس لیے لکھنے سے قبل اپنا قاری متعیّن کر لیں۔

مثنوی مولانا روم کی مثال لیں۔ مولانا روم نے جو مثنوی لکھی، جس کے بارے میں کہنے والوں نے کہا کہ قرآن کے معنی و مطالب کو پہلوی زبان میں انہوں نے بیان کیا۔ اسلامی ادبیات میں شاید ہی کوئی کتاب اتنی مقبول اور محترم گردانی گئی ہو جتنی مولانا روم۔ اور کم ہی ایسی کتابیں ایسی ہونگی جنہوں نے اتنا گہرا اثر مسلمانوں کے فکر اور تہذیب پر اور سوچنے کے انداز پر ڈالا ہو جتنا مثنوی مولانا روم نے ڈالا ہے۔ کم و بیش ۸،۹ سو سال تک دنیائے اسلام کے دو تہائی حصّہ پر مثنوی مولانا روم کی حکمرانی رہی۔ جہاں فارسی نہیں بھی بولی جاتی تھی وہ علاقے بھی مثنوی مولانا روم کے گہرے اثر میں تھے۔ جب انہوں نے مثنوی لکھنی شروع کی تو اپنے ایک شاگرد صلاح الدین زرکوب کو اپنا مخاطب بنایا اور جو کہتے اس کے براہِ راست مخاطب صلاح الدین زرکوب ہی ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ انہوں نے اپنے ایک اور شاگرد اور دوست مولانا حسّام الدین چلپی کو ذہن میں رکھ کر مثنوی لکھی۔ اتنے اعلیٰ پائے کے افراد کو مخاطب بنایا۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنی اعلیٰ سطح کے افراد تھے کہ مولانا روم یہ سمجھتے تھے کہ ان کی مثنوی کے معنی اور مطالب اور ادبیت سے جتنا یہ افراد متاثر ہونگے اتنا اور کوئی نہیں ہوگا۔ انہی مخاطبین کا بالواسطہ فیض تھا کہ ان کے کلام میں قوّت اور چاشنی پیدا ہوئی۔

علامہ اقبال کے ایک دوست مولانا غلام قادر گرامی جو جالندھر کے رہنے والے اور فارسی کے بڑے اچھے شاعر اور ادیب بھی تھے علامہ اقبال کے بڑے مداح تھے۔ اقبال کی تحریروں اور خطوط میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کو لکھا کہ جب میں شعر لکھتا ہوں تو آپ میرے ذہن میں ہوتے ہیں۔ اس طرح علامہ اقبال کے ایک دوست مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی تھے۔ آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے چانسلر اور ایک ریاست کے نواب ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے ادیب اور فاضل تھے۔ ان کے نام ایک خط میں علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ جب میں شعر کہتا ہوں تو آپ میرے مخاطب ہوتے ہیں۔ اور اپنے ایک اور خط میں لکھتے ہیں کہ واللہ اگر آپ جیسے لوگ نہ ہوں تو ہم

شعر کہنا چھوڑ دیں۔

لہٰذا جب بھی آپ کچھ لکھیں تو اپنے ذہن میں ایک متعیّن مخاطب رکھیں۔ وہ مخاطب ایک مخلص اور پر جوش مسلمان ہو۔ بامقصد آدمی ہو' ان کا ایک علمی اور فکری معیار ہو۔ قرآن پاک خود اعلیٰ ترین ادبی معیار کی ایک تحریر ہے۔ اتنے اونچے ادبی معیار کی تحریر کے ۱۴۱۸ سال پہلے اس نے چیلنج دیا کہ اس جیسی کوئی کتاب بنا کر لاؤ۔ آج تک کوئی ادبی اعتبار سے اس معیار اور اس پائے کی چیز نہیں بنا سکا۔ اگر ایک بیس صفحے کی کوئی عربی عبارت ہو اور اس میں دو سطریں قرآن پاک کی ہوں تو وہ سطریں اس عبارت میں اس طرح چمکتی ہیں جس طرح انگوٹھی میں نگینہ چمکتا ہے۔ خود قرآن کے مخاطبین کون ہیں۔ اس کلام کا براہِ راست مخاطب کون تھا؟ محمد ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہِ راست مخاطب کیا ہے۔ گویا خود کلام پاک خود کلامِ الٰہی کا بھی ایک متعیّن مخاطب ہے۔

تیسری صفت جو قرآن پاک نے بتائی وہ یہ ہے مخلص شاعر اور صاحبِ ایمان ادیب وہ ہیں کہ جو کہتے ہوں ان پر عمل بھی کر کے دکھاتے ہوں۔ یقولون ما لا یفعلون کے مصداق نہ ہوں' بلکہ جس پیغام کے وہ علمبردار ہوں ان کی تحریر' ان کے ادب اور ان کی شاعری میں جو پیغام جھلکتا ہے وہ پیغام ان کے قول و فعل میں بھی جھلکتا ہو۔

جیسے علامہ اقبال نے فرمایا:

ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

زبان اور دل ایک دوسرے کے رفیق ہوں۔ یہ تیسری صفت ہے جو مسلمان ادیب کے کلام میں پائی جانی چاہیے۔ جو جذبات و احساسات پیغام میں جھلکتے ہوں وہی دل میں بھی موجزن ہوں اور وہی ان کے عمل سے بھی ظاہر ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اچھی اور مثبت شاعری کو پسند کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی مختلف احادیث میں شعر و شاعری پر تبصرہ فرمایا۔ اچھے ادب کو حضور ﷺ نے پسند فرمایا۔ اچھے کلام کو حضور ﷺ نے تعریف فرمائی برے کلام کے بارے میں حضور ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

عرب میں خطابت کا بڑا رواج تھا۔ خطابت علم ادب کی ایک بڑی صنف تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا

جائے کہ عربی زبان میں سب سے پہلی صنف ادب خطابت کی آئی تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ اس کے بعد باقی اصناف ایک ایک کر کے آئیں۔ خود قرآن مجید کا انداز ایک خطیبانہ انداز ہے۔ قرآن ایک خطبے کے انداز میں اور ایک مقررانہ انداز میں نازل ہوا ہے۔ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے پاس ایک وفد آیا جس میں ایک صاحب تھے جن کی خطابت کا چرچا پورے عرب میں تھا۔ انہوں نے چاہا کہ مدینہ منورہ آکر اپنی خطابت کے جوہر دکھائیں اور اپنے قبیلے کی صفات کو فخریہ انداز میں بیان کریں۔ حضور ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ بیان کرو۔ حضور ﷺ کا مقصد غالباً یہ بتانا تھا کہ خطابت کی اس خوبی اور اس نعمت کو کس طرح بہتر طریقہ سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان کا خطیب کھڑا ہوا۔ سب لوگ بیٹھ گئے اس نے اپنے قبیلہ کی تعریف و توصیف بیان کی۔ اور اپنے خطابت کے جوہر دکھائے۔ اپنی بہادری کے اظہار کے لیے اپنے اور اپنے قبیلے کی طرف سے کیے جانے والے مظالم کا اظہار کیا۔ عرب اس اظہار و افتخار کو جرم نہیں سمجھتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ نے انصاری صحابی حضرت ثابت بن قیسؓ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ لیکن ثابت بن قیسؓ اس درجے کے خطیب نہ سمجھے جاتے تھے جس درجے کا اس قبیلہ کا خطیب مشہور تھا۔ لیکن اس وقت رسول اللہ ﷺ کا ارشاد فرمانا اور جوش و جذبہ' اور ایک غیر اسلامی اور جاہلانہ انداز کا جو خطبہ انہوں نے سنا تھا اس کا جواب دینے کا شدید داعیہ' اس کے خطبہ میں قبائلی فخر و مباہات کے علاوہ کوئی خاص بات اور مقصد نہ تھا۔ حضرت ثابت ایمان و مقصدیت سے بھرپور جذبات کے ساتھ جواب دینے آئے۔ ان سب باتوں کا اثر اور اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں بڑی روانی پیدا کر دی۔ انہوں نے تقریر کی۔ اسلام سے پہلے اور بعد کے حالات بیان کیے۔ یہ عام سا وعظ نہ تھا' اور نہ کوئی عام سی تقریر تھی' لیکن ادب کا اعلیٰ معیار تھا۔

ان کا خطبہ اتنا غیر معمولی تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان من البیان لسحرا

یعنی بعض بیان جادو کی طرح ہوتے ہیں۔

ان کا خطیبانہ کلام اتنا زوردار اور اونچے معیار کا تھا کہ تمام حاضرین متاثر ہوئے اور وہ سارے کا سارا قبیلہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اچھے ادیب اور خطیب کو

رسول اللہ ﷺ کی سرپرستی کس طرح حاصل تھی۔

اس زمانے میں عربی ادب میں شاعر اور شاعر کے قصیدہ کی وہی اہمیت اور حیثیت تھی جو آج کل صحافی اور اخبار نویس کی ہے۔ یہی مقام اور مرتبہ عربوں میں شاعر کو حاصل تھا۔ ہر قبیلہ کا ایک شاعر ہوتا تھا جو اس قبیلہ کا موقف بیان کیا کرتا تھا۔ جس میں اس قبیلہ کی صفات اور بہادری کے تذکرے ہوتے تھے۔ اس میں بہادری قصے اس قدر غیر معمولی ہیں کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے ان قصائد کو پڑھ کر اس قدر جوش پیدا ہوتا ہے کہ اس بڑھاپے میں میرا خون ابلنے لگتا ہے۔ مولانا شبلی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اس میں اس قدر زور بیان ہے کہ میں اس کو اس عمر میں بھی پڑھتا ہوں تو ایک نیا جذبہ معلوم ہوتا ہے۔ قصیدے کی وہی اہمیت تھی جو آجکل صحافت کو ہے۔

محرق ایک غریب آدمی تھا جس کی پانچ بیٹیاں تھی۔ غربت کی وجہ سے ان کی شادیوں کا مسئلہ تھا۔ زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا۔ اس وقت کا ایک مشہور ومعروف شاعر اعشیٰ تھا جو اسلام کے ابتدائی سالوں کے شروع دور تک زندہ رہا۔ محرق کی بیوی کو پتہ چلا کہ اعشیٰ عکاظ کے میلے میں شرکت کی غرض سے وہاں سے گزرنے والا ہے۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ اس کی دعوت کرو۔ محرق نے اس کی دعوت کی۔ اور عربوں کی کمزوری ہے بھنا ہوا گوشت، محرق نے اپنا اونٹ ذبح کیا اور اس کے تکے بنا کر اسے کھلائے وہ تین چار روز وہاں مہمان رہا۔ اس کے بعد اعشیٰ وہاں سے رخصت ہوا۔ اور رخصت ہو کر عکاظ کے میلے میں پہنچا۔ وہاں سب لوگوں کو اس کی آمد کا پتہ چلا۔ چونکہ وہ بہت بڑا شعر تھا اس لیے لوگ اس کا تازہ کلام سننے کے لیے وہاں جمع ہوگئے۔ اس نے ایک طویل قصیدہ کہا جس میں اس نے محرق کی سخاوت اور مہمان نوازی کی تعریف کی اور اس کی بیٹیوں کا بھی ذکر کیا کہ وہ بہت باپردہ اور باحیا ہیں، اور پردے اور حیا کے اندر رہ کر مہمانوں کی مدارات کرتی ہیں۔ اس نے کچھ اس مفہوم کے اشعار اس انداز میں کہے کہ دو تین ماہ کے اندر اندر اس کی بیٹیوں کی شادیاں اعلیٰ گھرانوں میں ہوگئیں۔ اس سے آپ اندازہ کرلیں کہ اسلام سے قبل بلکہ اسلام کے آنے کے بعد بھی ایک مدت تک شاعروں کی کیا حیثیت تھی۔ عرب میں اپنے موقف کو بیان کرنے اور اپنے پیغام کو عام کرنے کے لیے شعروشاعری کو کس طرح ذریعہ بنایا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے شاعری اور ادب کی اس صنف سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ جب قریش

نے اپنے شعروشاعری کے ذریعے آپ ﷺ کے خلاف عرب میں ایک فضا بنانی چاہی۔ تو کعب بن اشرف اور کعب ابن زہیر جیسے شعراء کی بڑی تعداد نے پورے عرب میں پھیل کر اسلام اور آپ ﷺ کے خلاف اس شاعری کو استعمال کیا۔ تو آپ ﷺ نے دربار رسالت کے شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ کو ان کا جواب دینے کا حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ روح القدس کے ذریعے ان کی مدد فرما۔

عربوں کا جب مقابلہ ہوتا تھا تو ایک دوسرے کے قبیلہ پر اعتراضات بھی ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کی کمزوری بھی بیان کی جاتی تھی۔ رسول ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ مخالف اور موافق دونوں کا تعلق قریش سے تھا۔ خود آپ ﷺ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔ اب قبیلہ قریش کی جانب سے جو اعتراضات آئے تھے ان کا جواب کیسے دیں۔ اگر قبیلہ پر تنقید ہو تو پھر آپ ﷺ کے خاندان پر بھی تنقید ہوتی ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے کہا کہ میں بڑی مشکل میں ہوں میں اس کا جواب کیسے دوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ابوبکر صدیقؓ سے کہو، وہ انساب کے بہت بڑے ماہر ہیں، اور قریش کے آپس کے تعلقات کیا ہیں اور کس خاندان میں خوبیاں اور کیا کمزوریاں ہیں، یہ سب وہ تمہیں بتائیں گے۔ جس خاندان میں واقعی کمزوری ہو اس کو بیان کرو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے مشورے سے اپنے شعروشاعری کے کمالات کا جو مظاہرہ کیا وہ آج تک سب کے سامنے ہے۔ ان کے کمالات اتنے غیر معمولی ہیں، ان کے شاعرانہ اسلوب اور قصائد میں اس قدر زور تھا کہ اس زمانے کے لوگوں نے عام طور پر کہا کہ حسان بن ثابتؓ اشعر اہل المدر ہیں۔

اس زمانے میں عرب میں دو قسموں کے لوگ تھے۔ ایک اہل الوبر اور دوسرے اہل المدر۔ مدر کے معنی ہیں اینٹ اور وبر کے معنی ہیں۔ اون یعنی اونٹ کے اون کا خیمہ بنا کر خانہ بدوش لوگ رہتے تھے۔ گویا خانہ بدوش لوگ اہل الوبر کہلاتے تھے، اور شہری آبادی کے لوگ جو اینٹوں سے بنے ہوئے پختہ مکانوں میں رہتے تھے اہل المدر کہلاتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا تعلق چونکہ مدینہ کی شہری آبادی سے تھا اس لیے وہ اشعر اہل المدر کہلاتے تھے۔

خود مسلمانوں میں بے شمار ایسے مواقع آئے کہ شاعروں نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے شاعرانہ کمالات کا اظہار کیا اور آپ ﷺ نے اسے بیٹھ کر سنا۔ خود آپ ﷺ کا بیٹھ کر سننا

سنت ہے۔ لیکن جب کبھی بھی کسی شاعر نے ایسی بات کہی جس سے کسی اسلامی عقیدے یا اسلام کی آفاقیت پر ضرب پڑتی تھی تو حضور ﷺ نے اس کی اصلاح فرمائی اور اس کو ٹھیک فرمایا۔ ایک مرتبہ کسی شادی کے موقع پر بچیاں گیت گا رہی تھیں:

وفینا نبی یعلم مافی غد ۔۔۔ ہمارے اندر ایک ایسے نبی ہیں جو کل کی بات بھی جانتے ہیں۔

اس مصرعے کو آپ ﷺ نے نکلوا دیا۔ اور کہا کہ نہیں بلکہ یوں کہو کہ کل کی بات صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی عقیدہ کے بارے میں آپ ﷺ نے ہمیشہ بڑے حساس رویہ کا مظاہرہ کیا۔ اگر کوئی چیز اسلامی عقیدے کے خلاف تھی تو حضور ﷺ نے اس کو پسند نہیں کیا۔

کعب ابن زہیر ایک مشہور قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بہت بڑے شاعر تھے۔ کعب ابن زہیر شاعروں کے اس گروہ میں شامل تھے جو اسلام کے خلاف اپنے شاعرانہ کمالات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف طرح طرح کے بہتان لگانا، آپ ﷺ پر طنز کرنا، آپ ﷺ کو نعوذ باللہ جادوگر ثابت کرنا اور حضور ﷺ کے متعلق یہ کہنا کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کو مرگی کے دورے پڑتے ہیں اس کے اثر سے جو کچھ زبان سے نکلتا ہے۔ آپ اسے کلام الٰہی کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ اس طرح کی باتیں وہ کیا کرتے تھے۔ اور عرب میں ان کے اشعار کا بڑا اثر ہوا کرتا تھا۔ جب فتح مکہ ہوئی تو حضور ﷺ نے سات آٹھ افراد کے متعلق حکم دیا کہ وہ جنگی مجرم ہیں ان کے لیے کوئی معافی نہیں ان کو جہاں دیکھو قتل کردو۔ کعب بن زہیر بھی ان میں سے ایک تھے۔ فتح مکہ ہوئی تو انہیں اس بات کا علم ہوا کہ ان کے لیے بھی اس طرح کا حکم ہوا ہے۔ یہ مکہ سے فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔ کسی نے ان سے کہا کہ جا کر حضور ﷺ سے معافی مانگیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ معاف کردیں۔ اس لیے کہ بہت سے لوگوں کو معافی مل چکی ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ چونکہ اس وقت تک آپ ﷺ مکہ مکرمہ ہی میں تھے اس لیے کعب ابن زہیر بھی مکہ چلے گئے۔ فجر کی نماز کے بعد چادر لپیٹ کر وہ آپ ﷺ کے پاس گئے۔ سلام کے بعد کہا کہ اگر کعب ابن زہیر آکر ایمان لے آئیں اور توبہ کرلیں تو کیا آپ ان کو معاف کردیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بالکل۔ انہوں نے فوراً چادر اتاری اور کہا کہ میں ہی کعب ابن زہیر ہوں۔ آپ ﷺ نے انہیں معاف

کیا اورعزت کے ساتھ بٹھایا۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔ یہ قصیدہ جاہلی اسلوب میں تھا اور اس میں وہی زور بیان تھا جو اس وقت مرغوب ومقبول تھا۔ قصیدے کی وہی ساخت ہے۔ پہلے غزل ہے۔ پھر تشبیب ہے اس کے بعد گریز ہے اور اخیر میں گریز کر کے حضور ﷺ کی طرف آئے ہیں۔

حضور ﷺ کی شان میں بھی کچھ اشعار کہے جو نعتیہ قصیدہ کا ایک نمونہ ہیں اس میں کہا کہ:

آپ ہندوستان کے تلواروں میں سے ایک سَتی ہوئی تلوار ہیں۔ اس زمانے میں ہندوستان کی تلواریں بڑی مشہور تھیں۔ لیکن حضور ﷺ نے اس کو درست کیا اور کہا کہ نہیں بلکہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کہو، گویا کسی خاص علاقے سے نسبت کو حضور ﷺ نے پسند نہیں کیا۔ اور اللہ کی تلوار کہہ کر ایک آفاقیت اور پوری کائنات سے نسبت کو آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔ جب انہوں نے یہ قصیدہ سنایا تو حضور ﷺ نے ان کو اپنی اوڑھی ہوئی چادر عنایت کردی۔ یہ چادر آج بھی ترکی کے توپ کاپی میوزیم میں موجود ہے۔ اس لیے اس قصیدہ کو قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔ (ایک قصیدہ بردہ اور بھی ہے لیکن اس کا واقعہ دوسرا ہے۔)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادب کے صحیح تصور کی رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس کو پروان چڑھایا اور خود اپنی سرپرستی، رہنمائی اور نگرانی میں اچھا ادب تخلیق کروایا۔ اور اس طرح تخلیق کروایا کہ لوگوں نے آپ کی موجودگی میں اپنے ادیبانہ اور شاعرانہ کمالات کا اظہار کیا۔ اور اگر کسی سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہوتی تو حضور ﷺ اس کی فوراً اصلاح کر دیتے تھے۔ اس کو صحیح اسلامی معیار کے مطابق بنادیا کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً حضور ﷺ اسلام سے پہلے کے شاعروں کے کلام پر تبصرے بھی فرمایا کرتے تھے۔ اسلام سے پہلے کے ادیبوں اور شاعروں کو جاہلی شعراء کہا جاتا ہے۔ جاہلی ادب عرب میں بڑا مشہور ہے۔ اور اپنی قوت بیان اور سادگی اور دیگر خاص خصوصیات کے اعتبار سے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔

قرآن پاک اور حدیث کے بعض مضامین کو سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس زمانے کے محاورات اور اسالیب بیان سب اس میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے بعض

شاعروں کے کلام پر حضورﷺ نے تبصرہ کیا۔ امرداؤالقیس کو اشعر الشعراء کہا جاتا تھا۔ اس کی شاعری کے متعلق کسی نے آپﷺ سے دریافت کیا کہ وہ کیسا شاعر ہے، آپﷺ نے فرمایا کہ وہ اشعرا لشعراء ہے اور اپنے ماننے والوں اور پیرو کاروں کو جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔ اس کے کلام میں فحاشی ،عریانی اور بداخلاقی کی تلقین ہے۔ اس میں جاہلی کلام کی ساری خرافات ہیں۔ لیکن شاعر اچھا تھا اس لیے حضورﷺ نے اس کے شاعرانہ کمالات کی تعریف فرمائی۔ لیکن چونکہ شاعری کا سارا رخ منفی عقیدے کی جانب تھا اس لیے اسے جہنم کی طرف لے جانے والا قرار دیا۔

عرب کا ایک بہت بڑا شاعر گذرا ہے، عنترہ۔ یہ عرب کے سات بڑے شعراء میں سے ایک تھا۔ وہ ایک شعر کہتا ہے:

میں تمام رات مشکل سے گزارتا ہوں اور پورا دن محنت مشقت کرتا ہوں تا کہ عزت کی روٹی کما سکوں۔

آپﷺ نے فرمایا کہ ''کسی شاعر کے شعر کو سن کر مجھے اس سے ملنے کی اتنی خواہش نہیں ہوئی جتنی اس شخص سے ہوئی۔'' یہ اس لیے فرمایا کہ اس نے اپنے کلام میں ایک اخلاقی قدر پزیرائی کی تھی۔

طرفہ بن عبد ایک نوجوان شاعر تھا جو صرف ۲۰ سال کی عمر میں مارا گیا۔ شاعرانہ کمالات کی وجہ سے اس کا نام عرب کے سات بڑے شعراء میں ہوتا تھا۔ نبی کریمﷺ کو اس کا ایک شعر بہت پسند تھا اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپﷺ کی زبان پر اکثر ہوتا تھا:

عنقریب ایک وقت آئے گا ایسے ایسے حقائق کا انکشاف ہوگا
جو تمہارے سامنے نہیں ہیں
اور ایسے ایسے لوگ تمہیں نئی نئی باتیں بتائیں گے
جن کو تم نے اس کام کے لیے مقرر نہیں کیا ہوگا۔

حضورﷺ نے ان کو اسلامی مفہوم میں بیان کیا اور پسند فرمایا۔ آپﷺ نے اچھے شعر کو اور خاص طور پر ایسے شعر کو جس میں اچھے اخلاق کا اظہار کیا گیا ہو، جس میں سچائی اور بہادری کا ذکر ہو، اس کی ہمیشہ تعریف فرمائی۔ اس دور کے سب سے بڑے شاعر حسان ثابتؓ تھے، شاعر دربار رسولؐ۔ انہوں نے اسلامی عقائد اور تصورات کو پروان پڑھایا۔ ان کے قصائد ادیبانہ معیار سے عرب کے اس

وقت کے بڑے بڑے شعراء سے کسی طرح کم نہ تھے۔ نبی ﷺ نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں عرب میں سب سے فصیح ہوں۔ حضور ﷺ نے لاتعداد نئے نئے محاورے اور بے شمار نئے نئے اسالیب بیان عربی زبان کو دیئے۔ لیکن ہم احتراماً حضور علیہ السلام کو ادیب نہیں کہتے۔

رسول ﷺ نے اچھے شعر اور خاص طور پر اچھے ادب کو کہ جس میں کسی بڑی حقیقت کی نشاندہی کی گئی اس میں لوگوں کو مکارم اخلاق پر اکسایا گیا ہو۔ جس میں کسی اچھے اقدار کا ذکر کیا گیا ہو۔ جس میں اسلامی عقائد کی بالا دستی اور ان کا اعلیٰ وارفع ہونا بتایا گیا ہو۔ ایسے اچھے ادب کو حضور ﷺ نے ہمیشہ پسند کیا۔ اس کی سر پرستی فرمائی اور ان لوگوں کو جو اس ادب سے وابستہ تھے ان کو اپنی سر پرستی سے نوازا۔

دور جدید میں مقصدی اسلامی ادب کی سب سے بڑی مثال علامہ اقبال کی ہے۔ اقبال کی زندگی میں کچھ لوگوں نے یوم اقبال بنایا۔ اقبال تو خود اس میں شریک نہیں ہوئے لیکن وہاں پر کیا گیا ایک تبصرہ ان کو بہت پسند آیا۔ وہاں کسی مقرر نے کہا تھا کہ اقبال قرآن کا شاعر ہے یا شاعر کا قرآن ہے۔ قرآن کے حقائق کو بیان کرتا ہے اس دور میں ادب کا اعلیٰ نمونہ اقبال کا کلام ہے۔
اقبال کی شاعری کا جائزہ لیں تو آپ کو تین چیزیں ملیں گی۔

۱۔ مقصدیت،

۲۔ مخاطبین،

۳۔ جو کہا اس پر عمل کرنے کی کوشش کی۔

اگر آپ فارسی نہ جانتے ہوں تو فارسی ضرور سیکھیں۔ فارسی میں اسلامی ادب معیار بعض پہلوؤں سے خود عربی ادب سے بڑھ کر ہے۔ اقبال کے کلام کے لیے ہی فارسی اس بات کی مستحق ہے کہ سیکھی جائے۔ بال جبرئیل اقبال کی اردو شاعری کی معراج ہے۔ نظم مسجد قرطبہ بال جبرئیل کی معراج ہے۔ بال جبرئیل اور خاص طور پر مسجد قرطبہ کی بیشتر بندشیں محاورے اور الفاظ یا تو فارسی ہی میں ہیں یا فارسی سے متاثر ہیں۔ لہٰذا فارسی ضرور سیکھیں۔ مسلمان ادیب کو فارسی اور بقدر ضرورت عربی ضرور آنی چاہیے۔ عربی بقدر ضرورت اور فارسی اس لیے کہ اقبال، حالی، اکبر، رومی، سعدی اور حافظ شیرازی کو آپ سمجھ سکیں۔ شکریہ۔